احکام القرآن میں اسلوبِ تفسیر اور امام جصاص ؒ پر نقد — تجزیاتی مطالعہ

Methodology of Interpretation in Ahkam ul Qur'an and criticism on Imam Al-Jassas- an analysis study.

یاسر فاروق*

زاہد فاروق**

ABSTRACT:

Imam Abu bakar al-jassas is famous jurist of Hanafi school of thought. He wrote a great interpretation of Quran named Ahkam ul Quran. He has written more than fifteen books. In his interpretation of Quran, he doesn’t interpret all Qur’anic verses, as is done by other commentators. He just explains the verses, which have directly a connection with fiq'h ul Ahkam. Al-jassas usually expresses his teachers as al-sarkhasi and other Hanafi's preferred opinion, and always gives systematic reasons for his preference. In the beginning of this article the methodology and characteristics of this interpretation are described in detail. There are many features in Ahkam ul quran that we have expressed i.e. Ahkam ul Quran is based on conventional narration, authentic quotations from the Islamic scholars and lingual and grammatical discussion with a critical explanation of Qur’anic words from lexical to technical and connection on the basis of grammatical and syntax regulations and illustration of differences between synonyms. He had been blamed by some traditionalists that he interprets some verses in wrong perspective and he discussed many irrelevant points in this. This article is an analytical study about these allegations. The result of this study is that kind of attitude towards his book is quite wrong by nature because imam Al-jassas describes his opinion in the light of his school of thought. Although, he got an Aggressive Behavior towards some famous Personalities of Islam, which is Inappropriate. In the end of study, the paper concludes that nobody can deny the importance of his interpretation at all.

Keywords: Al-jassas, interpretation, allegations, characteristics, methodology.

امام صاحب کا پورا نام ”ابو بکر احمد بن علی بن الرازی الجصاص“ ہے اور بعض کتب احناف میں ”الرازی الحنفی“ کے طور پر بھی معروف ہیں۔ آپ کے لقب میں ”الجصاص“ کے بارے میں قدرے اختلاف ہے کہ یہ کیونکر معروف ہے۔ راجح قول کے مطابق

*PhD. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.
Email: yasirfarooq797@gmail.com
**PhD. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

وہ چونا گچ کے پیشہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے جصاص کہلاتے تھے۔[1] کتبِ تراجم و تواریخ میں ان کی تاریخِ پیدائش 305ھ درج ہے اور وہ "ریّ" (جس کا رسم الخط "رے" بھی معروف ہے) میں پیدا ہوئے جس کی نسبت سے وہ "الرازی" کہلائے۔ان کی ابتدائی زندگی کے ادوار جن میں ان کی تعلیمی اور تربوی کیفیات کا ذکر ہو اتنا خاص نہیں جن سے معلوم ہو سکے کہ انہوں نے کن احوال میں علوم حاصل کیے۔البتہ ان تاریخ کی کتب میں یہ بات معروف ہے کہ جس دور میں امام موصوف پیدا ہوئے اس وقت "رے" کے حالات کافی دگرگوں تھے تاہم علمی مشاغل اور سرگرمیاں عروج پر تھیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب نے علمی حالات میں آنکھ کھولی۔غیر مفصل طور پر بیس سال کی عمر تک کے احوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے رے میں ہی رہ کر علم حاصل کیا اور تعلیم و تعلم سے منسلک رہے[2]۔325ھ میں جب بیس سال کے ہوئے تو امام موصوف بغداد تشریف لے گئے اور بغداد میں کبار علماء کے حلقات میں حاضری دیا کرتے تھے اور ان سے کسبِ فیض کرتے۔ان میں ابو سہل الزجاجی اور ابوالحسن الکرخیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[3]334ھ میں وہ بغداد میں پڑنے والے قحط کی بناپر "اھواز" چلے آئے جس کے احوال مؤرخین کے ہاں معروف ہیں۔[4]

کتبِ تراجم میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام جصاص اھواز سے نکل کر نیساپور تشریف لے گئے جہاں انہوں نے امام حاکم نیسابوریؒ سے کسبِ فیض کیا۔[5]

علمی مقام و مرتبہ اور زہد و ورع:

امام موصوف حد درجہ زاہد اور عابد تھے، حافظ ابن کثیرؒ اس بارے میں فرماتے ہیں؛

كان عابدا زاهدا ورعا انتهت اليه رياسة الحنفية فى وقته ورحل اليه الطلبة من الآفاق [6]

ترجمہ: وہ عبادت گزار اور زہد و ورع والے تھے۔حنفیہ کی سرداری ان پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔طلب علم میں انہوں نے دور دراز کا سفر کیا۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

كان راسا من الزاهد[7]

ترجمہ: آپ زاہدوں کے سردار تھے۔

ان کے زہد و ورع کی یہ بھی دلیل ہے کہ انھوں نے دو مرتبہ پیش کیا جانے والا عہدہ قضاء مسترد کر دیا۔[8]

امام موصوف کا علمی جاہ و جلال بے حد تھا۔آپ کے اس علمی وقار کو بیان کرتے ہوئے محض دو اقوال پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

الامام العلامة المفتى المجتهد عالم العراق،ابوبكر احمد بن على بن الرازى الحنفى،صاحب التصانيف و تصانيفه تدل على حفظه للحديث وبصره به [9]

ترجمہ: امام علامہ مفتی مجتہد عراق کے عالم ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی متعدد تصانیف کے مؤلف،ان کی تصانیف ان کے حفظِ حدیث اور بصیرت پر دلالت کرتی ہیں۔

علامہ امیر الکاتب ؒ فرماتے ہیں:

الشیخ ابو بکر الجصاص،من کبار علمائنا العراقیین وھو بالمرتبۃ الاعلیٰ والدرجۃ القصویٰ فی العلم والورع، صاحب التصانیف فی الفروع والاصول وغیر ذلك۔[10]

ترجمہ: شیخ ابو بکر الجصاص ہمارے کبار عراقی علماء مین سے ہیں اور وہ بہت ہی عالی المرتبت،اور علم وورع میں انتہاء کو پہنچے ہوئی شخصیت کے مالک تھے۔آپ کی اصول وفروع میں کثیر تصانیف ہیں۔

شیوخ وتلامذہ:

امام ابو بکر بن جصاص نے کبار علماء سے کسبِ فیض کیا۔جن میں ابوالحسن الکرخی 340ھ،عبدالباقی بن قانع 351ھ، ابوالقاسم الطبرانی360ھ،امام حاکم النیسابوری 405ھ،ابوالعباس الاحمر346ھ،ابو سھل الزجاجی،ابو علی الفارسی 377ھ وغیرہم قابل ذکر ہیں۔جبکہ ان کے تلامذہ میں مشہور ترین المفتی العلامہ ابو بکر محمد بن موسیٰ الخوارزمی 403ھ،الفقیہ ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن الخلف الحنفی 390ھ،المحدث ابوالفرج بن سلمہ 415ھ،الفقیہ ابو عبداللہ الجرجانی 395ھ شامل ہیں۔[11]

اس کے علاوہ بغداد،رے،اھواز میں دیگر کئی کبار اور مشاہیر علماءِ امت نے ان سے کسبِ فیض کیا اور وہاں ایک بہترین نظم میں رہتے ہوئے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔بے شمار حلقہ جات میں شرکت کرنے والے ان کے تلامذہ نے ان سے استفادہ کرنے کے بعد عراق وشام کے متعدد علاقوں کا سفر کیا اور اس علمی تراث کی نشر و تبلیغ کی۔

وفات:

امام موصوف ؒ نے ایک عرصہ تک تعلیم وتعلم اور افتاء وتالیف میں اپنی زندگی بسر کی۔بالآخر بروز اتوار 7 ذی الحجہ 370ھ کو 65 سال کی عمر میں بغداد میں وفات پا گئے۔آپ کے شاگرد امام ابو بکر بن محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے استادِ محترم کو لحد میں اتارا۔

علمی تراث:

امام موصوف کی تالیفات جو کہ خود ان سے منقول ہیں اور جنہیں علامہ موصوف نے احکام القرآن اور دیگر کتب میں ذکر کیا ہے،ان کی تعداد 16 ہے۔ذیل میں ان کا مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

شرح الجامع الصغیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی:

احناف کی امہات کتب میں سے ایک اہم ترین کتاب جس میں مذہب کی روایات ومتون جمع ہیں،امام موصوف نے اس کی

شرح لکھی ہے۔اس کی اول، دوم اور چہارم مجلدات موجود ہیں۔امام موصوف 348ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

شرح المناسک للامام محمد بن الحسن:

امام موصوف کی اس کتاب کا تذکرۃ خود انہوں نے مختصر الطحاوی میں کیا ہے۔

تعلیق علی کتاب الاصل للامام محمد بن الحسن:

امام صاحب نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب ''ادب القضاۃ للخصاف'' کی شرح میں کیا ہے۔

شرح ادب القضاء للخصاف:

امام ابو بکر جصاص نے امام ابو بکر احمد بن عمر الشیبانی کی شہرہ آفاق تالیف ادب القضاء کی شرح تحریر کی ہے جس کو علماء نے خاصی قبولیت عامہ سے نوزا۔حاجی خلیفہ نے اس کی از حد تعریف کی ہے۔[12]

شرح مختصر الطحاوی:

مختصر الطحاوی فی فروع الحنفیۃ للامام ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی کی تالیف ہے جو اوائلِ مختصراتِ مذاہبِ احناف میں شمار ہوتی ہے۔امام جصاص نے اس کی انتہائی نفیس، عمدہ اور جامع ومانع شرح کی ہے جو اپنے اعتبار سے بہر حال بدیعی نوعیت کی حامل ہے۔

مختصر اختلاف العلماء للطحاوی:

علامہ طحاوی کی کتاب ''اختلاف العلماء'' کا امام جصاص نے بہترین اختصار کیا ہے۔اس میں انھوں نے مسائل کی ادلہ تفصیلیہ کے ذکر سے احتراز کیا ہے کیونکہ امام طحاوی غیر ضروری اور طویل گفتگو فرماتے ہوئے دلائل نقلیہ بہت زیادہ بیان کرتے ہیں۔جبکہ اس کے برعکس امام جصاص نے محض ضروری اور متعلقہ دلائل کو ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام صاحب کی کتب میں ''تعلیق علی شروط الطحاوی، شرح مختصر الکرخی، شرح الاسماء الحسنیٰ، کتاب الاشربۃ، مسالۃ القرء، مسائل الخلاف، جوابات المسائل، کتاب اصول الفقہ، احکام القرآن'' معروف ہیں۔

احکام القرآن کا منہج وخصائص:

احکام القرآن امام جصاص کی مایہ ناز تالیف ہے اور تمام دیگر تالیفات سے ممتاز اور اہم ہے۔احکام القرآن ایک فقہی طرزِ تفسیر پر لکھی گئی ہے۔اس میں امام موصوف نے آیاتِ احکام کی تفسیر کی ہے اور طریقہ کار یہ ہے کہ کوئی سی ایک باب قائم کرکے اس سے متعلق دلیلِ قرآنی ذکر کرتے ہوئے اس کی تفسیر کرتے ہیں۔امام جصاص کی یہ تفسیر اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے اور کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ذیل میں ان کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن:

امام موصوف نے اس تفسیر میں بے شمار مقامات پر قرآن کی تفسیر قرآن سے کی ہے اور اولین کوشش یہی کرتے ہیں کہ تفسیرِ

قرآن ہی کی جائے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے فرمان "وقولوا للناس حسنا" کی تفسیر آیت مبارکہ "ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

والاحسان المذکورة فی الآیة انما هو الدعاء الیه والنصح فیه لکل احد[13]

ترجمہ: آیت کریمہ میں احسانِ مذکور سے مراد دعوت دینا اور ہر ایک کی خیر خواہی کرنا ہے۔

قرآن سے لغوی معنی پر استشہاد:

امام جصاص قرآن کے بعض مقامات کی لغوی تفسیر کرتے ہوئے دیگر مقامات سے استشہاد کرتے ہیں اور لغوی معنیٰ کا تعیّن کرتے ہیں۔مثال کے طور پر آیت کریمہ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن" میں لفظ "یتربصن" کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والتربص بالشئی الانتظار به ؛قال الله تعالیٰ فتربصوا به حتی حین[14]

اور تربّص کا مطلب ہے انتظار کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؛"فتربصوا به حتی حین"یعنی ایک مخصوص مدت تک اس کا انتظار کرو۔

تفسیر موضوعی کا اہتمام:

احکام القرآن تفسیر موضوعی کا نمونہ بھی پیش کرتی ہے جیسا کہ متاخرین نے اس پر خاصی توجہ دی ہے۔اس میں ایک مسئلہ یا حکم میں مذکور آیات کو جمع کرتے ہیں اور اس موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے مقاصدِ قرآنیہ کے تحت تفسیر کرتے ہیں۔مثال کے طور پر دین میں حرج اور مشقت کی نفی، کفار سے موالات کا ممنوع ہونا جیسے عنوانات کے تحت انھوں نے متعلقہ موضوع کے حوالے سے اکثر روایات کو جمع کر دیا ہے اور ان کی ایک جگہ تفسیر کر دی ہے۔[15]

تفسیر بالماثور کا اہتمام:

امام جصاص نے احکام القرآن میں تفسیر بالماثور کا اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک تفسیر القرآن بالقرآن، قرآن کی تفسیر سنت اور قرآن کی تفسیر اقوال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وسلف یعنی تابعین سے کرنے کا نام تفسیر بالماثور ہے۔اس کی واضح مثال آیت کریمہ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا" کی تفسیر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے جس میں انھوں نے تفسیر بالماثور سے متعلق متعدد عناصر ذکر کیے ہیں اور ساتھ ساتھ رائے واجتہاد سے بھی اسے منسلک کیا ہے۔[16]اسی طرح دوسری مثال آیت کریمہ "ولآمرنهم فلیغیرن خلق الله" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔[17]

اقوالِ سلف میں ترجیح وتفصیل:

امام موصوف جس آیت کریمہ کی تفسیر میں اقوال ذکر کرتے ہیں اس میں ان قوال کے مابین ترجیح دیکر بعض مقصود بھا اقوال

کو راجح قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل" کی تفسیر میں بیت کی بنا اٹھانے والے کے بارے میں مختلف اقوال کو ذکر کرتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کہ "ابراہیم علیہ السلام بانی اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر پکڑانے والے تھے" کو ترجیح دیتے ہیں۔[18]

بعض مقامات پر اقوال کی جمع:

بسا اوقات امام جصاص تفسیر کے دوران اقوال کو جمع کرتے ہیں اور ان میں بنا کوئی ترجیح قائم کیے محض تفسیری نکات سے متعلق متعدد اقوال ذکر کرتے ہیں۔ ان پر کسی قسم کا محاکمہ یا تعاقب نہیں کرتے۔ جیسا کہ آیت کریمہ "حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطیٰ" کے ضمن میں انھوں نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں لیکن ان میں کوئی ترجیح نہیں دی۔[19]

اخبارِ آحاد کا ذکر:

امام جصاص نے اخبارِ آحاد سے بھی استفادہ کیا ہے الا یہ کہ وہ ان کو امورِ عقیدہ میں لازم العمل نہیں قرار دیتے جیسا کہ ان کا مشہور موقف ہے۔ اس میں وہ عام طور پر مخصوص الفاظ "الاخبار المقصّرۃ عن مرتبۃ ایجاب العلم لمخبرھافی امور الدین" استعمال کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ اخبار امورِ دین یعنی عقائد میں علم کے وجوب کو ثابت کرنے میں قاصر ہیں۔[20]

بوقتِ ضرورت حدیثِ رسول سے قولِ صحابی یا تابعی کی طرف عدول:

امام موصوف دو صورتوں میں حدیثِ رسول سے قولِ صحابی یا تابعی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو بطورِ دلیل ذکر کرتے ہیں۔ اوّلا، جب حدیث کی صحت مشکوک ہو، ثانیا، جب وہ قرآن کے ظاہر کے معارض ہو۔ مثال کے طور پر آیت الطلاق کی تفسیر کے دوران وہ اس قسم کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور مذکورہ دونوں وجوہات کا ذکر کر کے اقوالِ سلف کو ترجیح دیتے ہیں۔

تفسیر بالرائے:

احکام القرآن میں امام موصوف کئی ایک مقامات پر تفسیر میں رائے اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ عقل ورائے کے ساتھ تمسّک کو اختیار کرنے کی دعوت بھی دیتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ "وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیھم لعلھم یتفکرون" کے تحت اہل علم ودانش کو فہم ورائے سے احکامات کے استنباط واستخرج میں کام لینے کی تلقین کرتے ہیں۔[21]

اسی طرح وہ خود آیتِ کریمہ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ بل احیاء ولك لا یشعرون" کی تفسیر میں خوب عقل ورائے سے کام لیتے ہیں۔[22]

اس کے ساتھ وہ تفسیر بالرائے کے رکائز وغیر ضروری امور بھی ذکر فرماتے ہیں تاکہ تفسیر بالرائے مذموم تفسیر کا حصہ نہ بن سکے۔ اس ضمن میں وہ ربط کے عدمِ ضرورت، متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے اور تاویلِ فاسد کرنے کو مذموم قرار دیتے ہیں۔

لغوی استشہاد کی صورتیں:

امام ابو بکر الجصاص تفسیر کے دوران جب لغوی طور پر معانی ومفاہیم کو متعین کرتے ہیں اور استشہاد ذکر کرتے ہیں تو اس کی درج ذیل اقسام ہوتی ہیں: (1)اشتقاق، (2)اقوال علماء لغت، (3)اشتراک، (4)اشعار، (5)نحو واعراب، (6)بلاغت۔

مندرجہ بالا کی ایک ایک مثال بطورِ نمونہ ذکر کی جاتی ہے:

1: آیتِ کریمہ "ویسئلونك عن الخمر والمیسر" کی تفسیر میں لفظ "میسر" کی وضاحت وہ اشتقاقی معنٰی کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔[23]

2: اس ضمن میں وہ صحابہ کرام، تابعین عظام کے ذکر کردہ لغوی معانی کو دیگر اہلِ لغت پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کے منقول نہ ہونے پر متاخرین کی طرف رجوع کرتے ہیں، جیساکہ آیتِ کریمہ "ذلك ادنیٰ ان لا تعولوا" میں "العول" کے معنٰی کی وضاحت کرتے ہوئے اقوالِ صحابہ وتابعین کا نقل کیا ہو جو لغوی معنٰی کی توضیح کرتے ہیں۔[24]

3: اشتراک لغوی یعنی متعدد معانی کا ایک کلمہ پر اطلاق، اس کی مثال "فولّ وجهك شطر المسجد الحرام" کی تفسیر میں امام موصوف لفظ "الشطر" کی وضاحت فرماتے ہوئے اس کے مشترکات کو ذکر کرتے ہیں۔[25]

4: اشعار سے استشہاد میں عموماً تمام مفسرین مشترک ہیں اور اس میں امام جصاص بھی متقدمین کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کی مثال آیت الصوم ہے جس میں وہ صوم کی لغوی توضیح میں متعدد اشعار کو نقل کرتے ہیں۔ نیز وہ نحوی اور بلاغی استشہاد کے لئے بھی اشعار ذکر کرتے ہیں۔[26]

5: مثال کے طور پر امام جصاص آیتِ کریمہ "فبما رحمة من الله لنت لهم" کی تفسیر میں وہ "ما" کا اعراب بیان کرتے ہیں اور اس کی نحوی تحلیل بھی کرتے ہیں۔[27]

6: تفسیر بلاغی میں وہ ممکنہ ہر صورت، حقیقت ومجاز، تشبیہ وکنایہ، مشاکلت وغیرہ سے کام لیتے ہیں اور یہ متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ جن معروف مقامات پر دیگر مفسرین نے بلاغتی نکتہ نظر سے تفسیر اور لغوی معنٰی کے تعین میں ان چیزوں سے استخدام کیا ہے علامہ موصوف بھی ان مقامات پر متقدمین کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔

احکام القرآن کی خصوصیات اور امام جصاص کے منہج سے متعلق معروضات کے بعد مناسب ہوتا ہے کہ امام موصوف کے فقہی رجحان اور تفسیر پر اس کے اثرات یا اپنے مسلک ومذہب اور آئمہ سے اختلاف کو بھی مختصراً ذکر کیا جائے۔

امام موصوف اور مذہبِ حنفیہ

اس ضمن میں پہلی گزارش یہ ہے کہ امام موصوف نے اپنی ساری زندگی فقہ حنفی کی خدمت میں صرف کی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے جس قدر علمی تراث اور کتب چھوڑیں وہ سب فقہاء احناف کی کتب کی شروحات یا مختصرات پر ہی مشتمل

ہیں، نیز انھوں نے جو فروعات قائم کیں یا اصول مدون کیے وہ سب فقہ حنفی کے بنیادی اصولوں کے تحت ہی ہیں۔

دوم یہ ہے کہ فقہ حنفی کی خدمت کرنا عیب نہیں اس لیے کہ یہ ایک علمی مجال ہے۔اور یہ بات بھی معروف ہے کہ فقہاء نے بہر حال کسی نہ کسی خاص مسلک یا مشرب میں رہ کر احکام و مسائل اور شرعی رجحانات کا استخراج کیا۔البتہ امام موصوف کے بارے میں یہ نظریہ عام ہے کہ وہ مجتہد فی المذہب تھے اور اپنے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔دورانِ تفسیر امام موصوف نے بعض مسائل میں فقہ حنفی کی مخالفت بھی کی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1: مسئلہ تزکیہ گواہان میں انھوں نے امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی مخالفت کی ہے کہ شاہد اگر ظاہری مسلمان ہو تو گواہی جائز ہو گی، جبکہ انہوں نے اس میں آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کو مد نظر رکھ کر اسے مرجوح قرار دیا ہے۔[28]

2: احناف کے نزدیک امرِ مطلق تراخی پر محمول ہوتا ہے، جیسا کہ بزدوی اور سرخسی[29] نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام موصوف نے اس کو"الفور" پر محمول کیا ہے اور اس کی نسبت ابوالحسن الکرخی کی طرف بھی کی ہے۔[30]

3: امام موصوف نے مسئلہ "کیا کفار بھی شریعت کے فروعی احکامات کے مخاطب ہیں؟" پر بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں امام شافعی کی موافقت کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کی ہے۔انہوں نے متعدد مقامات پر واضح الفاظ میں درج کیا ہے کہ کفار بھی فروعی احکامات کے مخاطب ہیں۔مثال کے طور پر آیتِ کریمہ "ان الذین توفتھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم" کے تحت فرماتے ہیں ک: وھذا یدل علی ان الکفار مکلفون بشرائع الاسلام معاقبون علی ترکھا[31] یعنی یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کفار اسلام کے شرائع کے مکلف ہیں اور ان کے ترک پر سزا پائیں گے۔

امام جصاصؒ اور ان پر الزامات کا جائزہ:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ احکام القرآن اپنی نوعیت کہ منفرد تفسیر ہے لیکن اس کے باوجود "لکل جواد کبوۃ ولکل عالم ھفوۃ" کے مصداق اس میں بھی چند ایک پہلو محلِ نظر ہیں اور علماء نے ان کی بنیاد پر امام موصوف پر درج ذیل الزامات عائد کیے ہیں:

1- بعض مسائل میں معتزلہ سے موافقت

2- مذہبِ حنفی سے شدتِ تمسک

3- بعض نامور اسلامی شخصیات کے بارے میں غیر مقبول رائے کا اظہار

4- تفسیر میں آیت کریمہ سے غیر مناسب مسائل اخذ کرنا

5- بعض روات پر غیر ضروری کلام

6- بعض ضعیف طرق کا تفسیر میں بنا تنبیہ ذکر کرنا

بعض مسائل میں معتزلہ کی موافقت:

امام موصوف پر اس الزام کی حقیقت جاننے سے پہلے دو باتیں جاننا ضروری ہیں:

1: امام جصاص کا ترجمہ نقل کرنے والوں نے ان میں اعتزال کی نشاندہی کی ہے جن میں علامہ ذہبیؒ بطور خاص ہیں، اس بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ: قیل کان یمیل الیٰ الاعتزال وفی تآلیفہ مایدل علیٰ ذلك[32] یعنی کہا جاتا ہے کہ وہ اعتزال کی طرف مائل تھے اور ان کی تالیفات میں ایسے مسائل موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

2: بعض مترجمین نے انہیں معتزلہ میں شمار کیا ہے، جیسا کہ محمد حسین ذہبی نے نقل کیا ہے:

ذکرہ المنصور باللہ فی طبقات المعتزلة[33]

ترجمہ: منصور باللہ نے انھیں معتزلہ کے طبقات میں شمار کیا ہے۔

یہیں سے اخذ کر کے محمد حسین ذہبی نے انہیں معتزلی افکار سے متاثر قرار دیا ہے۔ اس کی مزید تصدیق ان کی تفسیر سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ معتزلی افکار سے متاثر تھے، جن میں سے دو اہم نظریات کو ہم ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ سحر میں معتزلہ کی موافقت:

امام جصاص نے آیتِ کریمہ "واتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ"[34] میں جادو کی لغوی واصطلاحی بحث کی ہے اور اس کے بعد اس کی اقسام پر کلام ہوئے اس کی حقیقت اپنے نکتہ نظر سے واضح کی ہے جو درج ذیل نکات کی صورت میں ہے:

1: لغوی طور پر اس سے مراد وہ امر ہے جو اپنی لطافت اور خفاء کے باعث عجیب محسوس ہو۔

2: اس لیے "حلقوم و ہنسلی" پر سحر کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ کا قول ہے: قبضه الله بين سحري ونحري[35]

3: اس سے مراد بسا اوقات "بشر" بھی لیا جاتا ہے، جیسا کہ کفار مکہ کا اعتراض تھا کہ "مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق" یعنی یہ ہماری طرح ہنسلی و حلقوم والا ہے، پھر اس سے یہ لفظ منقول ہو کر اس امر میں بولا جانے لگا جو مخفی ہو اس قدر لطیف ہو کہ اس کی غیر حقیقی طور پر تخیلات میں اثرات ہوں اور خداع وفریب کا باعث ہو۔

لہٰذا جب اس کا اطلاق ہو گا تو مراد ایسا امر ہو گا جو خوشنما ہو اور ملمع سازی کا مظہر ہو لیکن باطل ہو، جس کی کوئی حقیقت بالکل نہ ہو اور نہ ہی اس میں ثبات ہو، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ[36]

یعنی ان کو خوش نما کر کے پیش کر دیا گیا اور اس کی وجہ سے انھوں نے رسیوں اور لاٹھیوں کو دوڑتا ہوا سمجھ لیا، اس لیے لفظِ

"تخیل" ذکر کیا کہ حقیقتاً کچھ نہ تھا محض تخیلات ہی تھے۔مزید آگے جا کر انھوں نے اس کی اقسام بیان کیں، جن میں سے بعض ایسی ہیں جو کفر کا موجب ہیں اور دیگر جو کہ حقیقت ہیں اور کچھ تخیلاتی ہیں۔ [37]

نفسِ مسئلہ کی وضاحت:

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام جصاصؒ کے نزدیک ذوات واشیاء میں جادو موثر نہیں اور نہ اس کی کوئی حقیقت ہے بلکہ اصلاً یہ اوہام و تخیلات ہی ہیں جو خلافِ حقائق امور کے مظہر ہوتے ہیں۔ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیلے اور خفیہ اسباب سے لوگوں کو متاثر کر دیا جاتا ہے۔یہی معتزلہ کا نظریہ ہے۔رہی وہ روایات جن میں نبی کریم ﷺ پر جادو کے مؤثر ہونے کا ذکر ہے ان کے بارے میں امام جصاص کا موقف یہ ہے کہ وہ دراصل ملحدین کی کوششوں کا شاخسانہ ہیں۔ [38]

ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن نے اس حوالے سے اپنے تحقیقی مضمون میں لکھا ہے:

"مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام جصاصؒ کا سحر کے حوالے سے نکتہ نظر احناف اور جمہور علماء کی بجائے معتزلہ کے قریب ترین ہے۔غالباً اسی وجہ سے معتزلی علماء نے ان کو معتزلہ میں شمار کیا ہے جیسا کہ قاضی عبدالجبار نے معتزلہ کو مختلف طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور پہلے طبقے میں خلفائے اربعہ اور پھر طبقاتِ صحابہ وتابعین اور اس طرح بارہویں طبقہ میں امام موصوف کو شمار کیا ہے۔لیکن اس سے امام جصاصؒ کا معتزی ہونا لازم نہیں آتا ہے ورنہ صحابہ وتابعین کو بھی معتزلی ماننا جائے گا جن کو انہوں نے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔اسی طرح اگرچہ وہ سحر کے حوالے سے معتزلی فکر رکھتے ہیں لیکن اس نقطہ نظر کی وجہ سے ان کو معتزلی قرار دینا درست نہیں۔درحقیقت یہ ان کا علمی تفرد ہے جس کا وجود مجتہدین میں ہونا ایک عمومی بات ہے"۔ [39]

چنانچہ یہی موقف راجح معلوم ہوتا ہے کہ امام جصاص کا یہ نظریہ معتزلہ سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ صحیح قول کے مطابق امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو اسحاق اسفرائینی کی اس مسئلہ میں پیروی کرتے ہوئے ہے جس کا ذکر علامہ شوکانی(فتح القدیر، ج1، ص119)اور علامہ قرطبیؒ(الجامع لاحکام القرآن، ج2، ص46)نے کیا ہے۔ان کا موقف یہ ہے کہ سحر (جادو) محض ایک دھوکا ہے اور اس کی کوئی اصل یا حقیقت نہیں،البتہ امام جصاص کا صحیح احادیث کو رد کرنا کسی طور مقبول نہیں۔دراصل اختلاف کا محل اس مسئلہ میں اس کلمہ (سحر) کا لغوی یا اصطلاحی معنٰی نہیں، بلکہ اختلاف اس کی جزئیات میں ہے، آیا سحر کی کوئی حقیقت بھی ہے یا نہیں؟۔اہل السنہ والجماعت کا اس مسئلہ میں موقف بالکل واضح ہے کہ سحر کی حقیقت بھی ہے اور اس کا تاثر بھی۔

مسئلہ رؤیت:

امام موصوف نے اس مسئلہ میں کافی اختصار سے کلام کی ہے۔آیتِ کریمہ "لاتدركه الابصار وهو يدرك الابصار" کے تحت فرماتے ہیں: يقال إن الإدراك أصله اللحوق، نحو قولك: أدرك زمان المنصور، وأدرك أبا حنيفة، وأدرك الطعام أي لحق حال النضج، وأدرك الزرع والثمرة، وأدرك الغلام إذا لحق حال الرجال وإدراك البصر للشيء لحوقه له برؤيته

إياه;لأنه لاخلاف بين أهل اللغة أن قول القائل:أدركت ببصري شخصا معناه رأيته ببصري، ولايجوزأن يكون الإدراك الإحاطة لأن البيت محيط بما فيه وليس مدركا له....والأخبار المروية في الرؤية إنما المراد بها العلم لو صحت، وهو علم الضرورة الذي لا تشوبه شبهة ولا تعرض فيه الشكوك;لأن الرؤية بمعنى العلم مشهورة في اللغة[40]

خلاصہ یہ ہے کہ "ادراک" کا مطلب کسی چیز کالاحق ہونا یااس کا پالیناہے۔ جیسے کوئی شخص کسی زمانے کو پالے یا کسی مادی شئے کو پالے۔اسی طرح معنوی طور پر جوانی کو پالینا وغیرہ۔ جبکہ "نظر سے پالینے" سے مراد ہے کہ کسی شئے کو آنکھوں سے دیکھنا۔ لہٰذا اس کا معنیٰ "احاطہ کرنا" صحیح نہیں۔آیتِ کریمہ "لاتدركه الابصار" کااس طرح سے معنیٰ ہوگا: "آپ اسے آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے" یہ رویتِ ابصار کی نفی کرکے محض مدح ہے جیساکہ فرمایا"لاتاخذه سنة ولانوم" گویااللہ تعالیٰ نے جس چیز کی اپنی ذات سے نفی کرکے مدح کی تو اس کے الٹ کااثبات یقیناً نقص اور ذم کو مستلزم ہے اور یہ ہر حال میں محال ہے۔نیز "وجوه يومئذ ناضرة الى ربهاناظرة" میں "نظر" کے معنیٰ میں اشتراک کی بنا پر احتمال ہے اس لیے اس اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ باقی رہا اخبار وروایات کا معاملہ تو اس میں امام صاحب کا کہنا ہے کہ بشرط صحت ان کی "علم" کے ساتھ تاویل ہوگی، کیونکہ اس کی یہ تاویل (بمعنیٰ علم) لغت میں مشہور و معروف ہے۔

تبصرہ:

امام ابو بکر جصاص کے بارے میں ان نظریات کا ان سے ثبوت بہر حال ایک حقیقت ہے لیکن اس سے قبل ذکر کیے گئے اعتراضات کا یہ ہر گز جواب نہیں کہ وہ معتزلی تھے۔ہمارے نکتہ نظر کے مطابق ان کو معتزلی کہنے والے دو گروہ ہیں:

اول:　وہ حضرات جنہوں نے ان کو معتزلہ کے طبقات میں شمار کیا ہے، سر فہرست بعض معتزلی مؤلفین ہیں۔

دوم:　وہ لوگ جو ان سے نقل کرنے والے ہیں مثلاً امام ذہبی اور بعض معاصرین۔

لہذا حقیقت یہ ہے کہ اصلاً معتزلی مؤلفین نے انھیں اپنے طبقات میں درج کیا ہے اور اپنے نظریات سے انھیں متفق قرار دیا ہے بلکہ انہوں نے متعدد صحابہ کرام کے اقوال کو بھی اپنے نظریات کی دلیل بنایا ہے اور اپنی افکار کا ماخذ قرار دیا ہے۔ جبکہ معاصرین نے محض ان کو پیشِ نظر رکھ کر اور گذشتہ دو آراء وامثال سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ وہ معتزلی تھے حالانکہ ایسا ہر گز نہیں بلکہ مسلکِ حنفی کے ساتھ امام جصاص کا شدتِ تمسک تھا جیساکہ ہم آئندہ اس کا ذکر کریں گے۔ نیز ان کی کتب میں اہل السنہ والجماعہ کے مذاہب کو مبرہن بیان کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر عذابِ قبر، ووعد وعید، مرتکب کبائر، قرآن کے کلام اللہ ہونے میں انہوں نے معتزلی مذاہب کی سخت تردید کی ہے جو ان کتاب "الفصول فی الاصول" میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

مذہبِ حنفی کے ساتھ شدتِ تمسک:

امام جصاص کی علمی خدمات مذہبِ حنفی کی ترویج میں کافی حد تک مشہور ہیں اور اس ضمن میں انہوں نے تفسیر میں مذہبِ

حنفی کی تائید میں ادلہ و براہین کو بہت توجہ دی ہے، نیز احناف نے انھیں طبقہ ثانیہ یعنی مجتہد فی المذہب شمار کیا ہے۔ مجتہد کا کسی خاص فقہی مذہب سے منسلک ہونا باعثِ ردو قدح نہیں لیکن اگر اس دوران وہ ادب و احترام اور اختلاف کی حدود و ضوابط سے نکل جائے تو یہ مذموم عمل ہے۔امام جصاص نے جہاں مذہبِ حنفی کا ساتھ شدتِ تمسک اختیار کیا ہے وہیں اس کے دو برے اثرات بھی سامنے آئے۔ جن میں پہلا "مذہبِ حنفی کے مخالفین پر شدید کلام" اور دوسرا "بعض نصوص کی تفسیر میں تعسّف" سے کام لینا ہے۔

مخالفینِ مذہب حنفی پر جرح اور شدید کلام:

احکام القرآن میں امام جصاص کے منہج کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ مخالفینِ مذہب حنفیہ کا خوب رد کرتے ہیں اور ان کے خلاف بہت ہی سخت عبارات والفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور "قاضی اسماعیل بن اسحاق المالکی" سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے مذہب کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

کلامہ ظاهرہ الاختلال واضح الفساد[41]

ترجمہ: اس کی کلام بالکل ناکارہ اور فاسد ہے۔

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں:

کلام فارغ لا معنیٰ تحتہ[42]

ترجمہ: یہ بے کار کلام ہے جس کی موضوع سے کوئی مناسبت نہیں۔

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

تخلیط وتشہٍّ غیر مقرون بدلالۃ[43]

ترجمہ: یہ اختلاط اور بنا دلالتِ دلیل، خود پسندی ہے۔

مذاہبِ امام شافعی کے ساتھ ان کی مسلکی مخاصمت کا اندازہ بھی ان کے تفسیری رجحان سے کیا جاسکتا ہے۔امام جصاص ان کی کلام اور مستدلات کو شدت کے ساتھ رد کردیتے ہیں۔ایسا نہیں کہ انہوں نے امام شافعیؒ پر تمام تفسیر میں سخت نکتہ چینی کی ہو بلکہ ان کی مدح بھی موجود ہے تاہم جہاں وہ ان کے مستدلات یا مسلکِ حنفی کے مخالف مذاہب کا تذکرہ کرتے ہیں تو انتہائی جارحانہ انداز اختیار کرتے ہیں؛ مثال کے طور پر آیت کریمہ "وطعام الذین اوتو االکتاب حل لکم" کے تحت امام شافعی کے موقف کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ولا نعلم من السلف والخلف اعتبر فیهم ما اعتبر الشافعی فی ذلك وهو منفرد بهذه المقالة خارج بها عن اقاویل اهل العلم۔[44]

ترجمہ: ہمارے مطابق سلف وخلف میں سے اس موقف کو کسی نے معتبر نہیں کہا جس طرح امام شافعی نے کیا ہے اور وہ

اس بات کے اختیار کرنے میں منفرد ہیں اور اہل علم کے کلام سے خارج ہیں۔

مذکورہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انکے نزدیک امام شافعی کی کلام اہلِ علم کے ہاں غیر معتبر قرار پاتی ہے۔ حالانکہ ایسا کہنا کسی طور پر بھی صحیح نہیں۔اسی طرح آیت الوضوء کی تفسیر میں ترتیبِ افعال کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

هذا القول مماخرج به الشافعی عن اجماع السلف الفقهاء[45]

ترجمہ: یہ ایسا قول ہے جس کی وجہ سے امام شافعی سلف فقہاء کے اجماعی مسئلہ سے نکل گئے ہیں۔

گویا ان کے نزدیک امام شافعی کی رائے معتبر نہیں اور وہ اجماع منعقدہ کے مخالف اور اس سے خارج ہیں۔اس کے برعکس متاخرین احناف میں کئی ایسے علماء اور مشائخ ہیں جو عزت واحترام اور حدود میں رہ کر اختلاف کرتے ہیں،اس کے ساتھ ہی جب ائمہ میں سے کسی کا تذکرہ کرتے ہیں تو تکریم وشرف کا دامن نہیں چھوڑتے۔مثال کے طور پر علامہ تھانویؒ(جن کی تالیف لطیف ''اعلاء السنن'' ایک شاہکار کتاب ہے جس میں انہوں نے امام شافعی سے حنفیت کی بنا پر بیسیوں مسائل میں اختلاف کیا ہے تاہم)ایک راوی پر کلام نقل کرتے ہوئے امام شافعی سے اس کی تائید ان لفظوں میں نقل فرماتے ہیں:

وکذا من روی الامام المعظّم سید الفقهاء ورئیس المحدثین وامیر المومنین فی علوم الشریعة محمد بن ادریس الشافعی عالم قریش فهو ثقة[46]

ترجمہ: اور اسی طرح امامِ معظم سید الفقہاء، رئیس المحدثین وعلومِ شریعت میں امیر المؤمنین، محمد بن ادریس شافعی جو کہ قریشی عالم ہیں ان سے بھی مروی ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے۔

بعض نصوص کی تفسیر میں تعسّف سے کام لینا:

مذہبِ حنفیہ کے ساتھ شدتِ تمسک کا دوسرا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ انھوں نے بعض نصوص کی تفسیر میں حد سے زیادہ بے اعتدالی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے مذہب کی تقویت واثبات جبکہ مخالف کے رد میں غلو وتعسف سے کام لیا ہے۔مثال کے طور پر آیت کریمہ "يسئلونك عن الخمر والميسر" کے تحت انھوں نے شراب کو شامل اشیاء پر بحث میں لکھا ہے:

فقال الجمهور الأعظم من الفقهاء: اسم الخمر في الحقيقة يتناول التي المشتد من ماء العنب. وزعم فريق من أهل المدينة ومالك والشافعي أن كل ما أسكر كثيره من الأشربة فهو خمر[47]

ترجمہ: فقہاء میں جمہور کی ایک بہت بڑی جماعت کا کہنا ہے کہ خمر کا اسم حقیقت میں اس کو شامل ہے جو انگور کے ملغوبہ پانی سے حاصل کی جائے جبکہ اہلِ مدینہ، امام مالکؒ اور شافعیؒ کا گمان ہے کہ (پاکیزہ) مشروبات میں جس میں (ایک حد کے بعد) نشہ پیدا ہو جائے تو وہ خمر ہے۔

اس کے بعد انتہائی سختی سے کام لیتے ہوئے پہلا مذہب ثابت کرنے کی سعی کی ہے، جو کہ دراصل فقہاءِ احناف ہیں۔ لیکن

باعثِ حیرت یہ ہے کہ ایک طرف جمہورِ اعظم کا دعویٰ کیا ہے جبکہ ساتھ ہی اہلِ مدینہ، امام مالک و شافعی کو مخالفین میں ذکر کیا نیز یہ بھی معلوم ہے کہ وہ فقہائے حنابلہ کو بالکل قابلِ التفات نہیں سمجھتے تو ''الجمھور الاعظم'' سے ان کی مراد پر اعتراض ہوتا ہے۔

دوسری مثال اس کی یہ ہے کہ آیتِ کریمہ ''ثم اتموا الصیام الیٰ اللیل'' کے تحت نفلی روزہ رکھنے والے کے لیے اتمام کے وجوب پر بحث کرتے ہوئے کئی صفحات لکھ ڈالے ہیں اور بہت ہی جرح و قدح اور اپنے موقف کے متعدد تائیدی دلائل ذکر کرنے کے بعد مخالفین کے موقف کو مرجوح قرار دیتے ہیں[48]۔ یہ ان کے مذہبِ حنفیہ کے ساتھ شدتِ تمسک کی عام مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دورانِ تفسیر تعسّف سے کام لیتے ہیں۔

بعض اسلامی شخصیات کے بارے میں غیر محمود آراء کا اظہار:

امام جصاص پر عائد الزامات میں تیسرا الزام یہ ہے کہ وہ بعض اسلامی شخصیات پر مخصوص معاملات کی بنا پر خوب جرح کرتے ہیں اور ان کے بارے میں غیر محمود آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ اس ضمن میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ:

امام جصاص ان کے بارے میں غیر ضروری اور مقبول رائے کے مخالف رائے کا ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیتِ کریمہ ''الذین ان مکنھم اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکاۃ'' کے تحت فرماتے ہیں:

وهذه صفة المهاجرين:لأنهم الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق،فأخبر تعالى أنه إن مكنهم في الأرض أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر،وهو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم الله في الأرض وهم أبو بكر وعمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم وفيه الدلالة الواضحة على صحة إمامتهم لإخبار الله تعالى بأنهم إذا مكنوا في الأرض قاموا بفروض الله عليهم،وقد مكنوا في الأرض فوجب أن يكونوا أئمة قائمين بأوامر الله منتهين عن زواجره ونواهيه ولا يدخل معاوية هولاء لان الله وصف بذلك المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم وليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء[49]

یعنی یہ مہاجرین کے اوصاف مذکور ہیں، جو خلفائے راشدین کو شامل ہیں اور اس آیت کریمہ میں ان کی صحتِ امامت کی دلیل بھی ہے اس لیے کہ ان میں اس کے تمام تر تقاضے موجود ہیں۔ البتہ اس میں معاویہ داخل نہیں کیونکہ اللہ نے اس وصف کا مصداق ان مہاجرین کو قرار دیا ہے کو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں جبکہ معاویہ ان مہاجرین میں سے نہیں بلکہ وہ طلقاء میں سے ہیں۔

اسی طرح آیت کریمہ ''وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض'' کے تحت فرماتے ہیں: وفیه دلالة علی صحة امامة الخلفاء الاربعة ایضاً لان الله استخلفهم فی الارض مکّن لهم کما جاء الوعد ولا یدخل فیهم معاویة لانه لم یکن مومنا فی ذلك الوقت۔[50]

ترجمہ: اس آیت میں خلفائے اربعہ کی صحتِ امامت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کی خلافت عطا کی تھی اور بموجبِ وعدہ تمکین دی، اس میں معاویہ داخل نہیں کیونکہ وہ اس وقت مومن ہی نہیں تھے۔ (یعنی ایمان ہی نہیں لائے تھے)

خلاصہ یہ ہے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی غیر ضروری تنقیص کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کے موقف کے خلاف رائے رکھنے والے معلوم ہوتے ہیں جو دراصل تفسیر میں مناسب نہیں۔

اموی حکام کی تنقیص:

امام موصوف اموی حکام کے دور میں بعض دردناک واقعات کی وجہ سے تفسیر میں ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان کے مقرر کردہ عمال بالخصوص حجاج بن یوسف پر بھی طعن کرتے ہیں۔ مثال کے طور ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

ولم يكن في العرب ولا آل مروان اظلم ولا اكفر ولا افجر من عبدالملك ولم يكن في عمّاله اكفر ولا اظلم ولا افجر من الحجّاج[51]۔ مطلب یہ ہے کہ اموی حکمرانوں کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم یا فاجر نہیں آیا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی انہوں نے حجاج بن یوسف اور مروان دونوں کو لعنت و ملامت بھیجتے ہوئے طعن کیا ہے۔[52]

تجزیہ:

اس الزام کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہے کہ امام موصوف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا اموی حکام کے بارے یہ رائے یقینا رکھتے تھے تاہم اس کا سبب ظاہری طور پر اس دور کے حالات و ظروف کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ شاید اس وقت امام جصاص کو جن احوال کا سامنا تھا ان کا یہ تقاضا تھا یا پھر کہا جا سکتا ہے کہ یہ امام موصوف کی ایک رائے ہے جس کا صحیح یا مرجوح ہونا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی بنا پر امام موصوف کو طعن کا نشانہ بنایا جائے۔ وہ مجتہد فی المذہب تھے اور ان کا کوئی بھی رائے اختیار کرنا عین ممکن ہے البتہ اس طرح کی رائے کو مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن قائل کو مطعون ٹھہرانا بہر حال محلِ نظر ہے۔

آیات کے غیر متعلقہ تفسیری نکات:

امام موصوف دوران تفسیر فقہ القرآن والتفسیر کے برعکس آیت کے مناسب مسائل کے ساتھ غیر ضروری و مناسب مسائل کا ذکر بھی کرتے ہیں، جن کا اس تناظر میں ہر گز محل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر آیتِ کریمہ "وبشر الذين آمنوا وعملوا الصالحات أن لهم جنات تجري من تحتها الأنهار" کے تحت لکھتے ہیں:

مذهب الحنفية في ان من قال لعبده: من بشرني بولادة فلانة فهو حر فبشره جماعة واحداً بعد واحدٍ ان الاول يعتق دون غيره لان البشارة حصلت بخبره دون غيره[53]

ترجمہ: اگر کوئی شخص کہے کہ جس غلام نے مجھے فلاں کے ہاں بچے کی پیدائش کی خوش خبری پہلے سنائی تو وہ آزاد ہوگا، پس اگر اسے ایک جماعت خبر دیتی ہے تو پہلا شخص آزاد ہوگا کیونکہ اس کی خبر سے خوش خبری حاصل ہوئی نہ کہ دیگر سے۔

اسی طرح آیتِ کریمہ ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' کے تحت نیت کے شرطِ طہارت نہ ہونے کی بحث کرتے ہیں اور مذہبِ حنفیہ کی تائید میں طویل کلام کی ہے۔[54]

بعض ثقہ رواۃ پر نقد و جرح:

علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق ان کی اخبار و روایات پر گہری نظر تھی لیکن اصولِ روایت و درایت کے حوالے سے یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ امام جصاص بسااوقات تسامح کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کی ایک صورت ثقہ رواۃ پر جرح کرنا ہے۔مثال کے طور پر آیتِ کریمہ ''ممن ترضون من الشهداء''میں مذکور اثر ''ان رسول الله قضى باليمين مع الشاهد'' کے تحت کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فاما فسادها من طريق النقل فان حديث سيف بن سليمان غير ثابت لضعف سيف بن سليمان هذا، ولان عمرو بن دينار لا يصح له سماع عن ابن عباس فلا يصح لمخالفنا الاحتجاج به ۔[55]

الغرض اس اثر کو سیف بن سلیمان اور عمرو بن دینار کی وجہ سے سخت ضعیف قرار دیتے ہیں حالانکہ کتبِ تراجم میں اس کے برعکس ہے۔ سیف بن سلیمان اور عمرو بن دینار ثقہ اور ثبت ہیں۔ یہاں تک کہ متشدد محدثین کے نزدیک بھی ان کی توثیق معروف ہے۔مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: کتاب الجرح والتعدیل للامام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی:74/4،التاریخ الکبیر للبخاری 171/4، میزان الاعتدال:255/2، تقریب التھذیب للحافظ ابن حجر العسقلانی:344/1۔

تفسیرِ ماثور میں ضعیف اقوال کا ذکر

دورانِ تفسیر امام جصاص تفسیرِ ماثور کرتے ہوئے بعض دفعہ صریح ضعیف اقوال نقل کرتے ہیں۔مثال کے طور پر اکثر مقامات پر انہوں نے دورانِ تفسیر ''رواية عطية عن ابن عباس'' سے متعدد اثر ذکر کیے ہیں جبکہ اہلِ علم میں یہ بات معروف ہے کہ عطیہ العوفی سخت ضعیف ہے اور انھوں نے اس کے طریق سے آنے والی مرویات کو غیر ثابت قرار دیا ہے ۔تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال: 79/3، کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی: 382/6، تقریب التھذیب: 224/7۔اس کے باوجود امام جصاص ان سے بنا تنبیہ کیے نقل کرتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال دورانِ تفسیر بالماثور ''رواية جويبر عن الضحاك بن مزاحم التابعي المفسر'' ہے اور یہ طریق بھی جمہور محدثین کے ہاں جویبر کی وجہ سے ضعیف ہے جیساکہ ابن حجر اور امام ذہبیؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔[56]

خلاصہ کلام:

امام ابو بکر جصاصؒ کی تفسیر احکام القرآن ایک فقہی طرزِ تفسیر کا بے نظیر نمونہ ہے۔

امام جصاص نے اس تفسیر کو محض آیاتِ احکام کی تفسیر کرنے تک ہی محدود رکھا ہے۔

امام موصوف چونکہ مذہبِ حنفیہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے انھوں نے تفسیر میں مذہب کے فقہی اسلوب کو مد نظر رکھا اور

تفسیری مسائل کو اس کے تحت مرتب کیا ہے۔

امام جصاصؒ نے اس میں جن امور کا خیال رکھا اور وہ اس تفسیر کے میزات شمار ہوتے ہیں ان میں تفسیر القرآن بالقرآن، قرآن سے لغوی معنی پر استشہاد، تفسیر موضوعی کا اہتمام، تفسیر بالماثور کا اہتمام، اقوالِ سلف میں ترجیح و تفصیل، بعض مقامات پر اقوال کی جمع، اخبارِ آحاد کا ذکر، بوقتِ ضرورت حدیثِ رسول سے قولِ صحابی یا تابعی کی طرف عدول، تفسیر بالرائے اور لغوی استشہاد سے کام لینا شامل ہیں۔امام موصوف چونکہ مذہبِ حنفیہ سے شدت تمسک رکھتے تھے اس لیے ان کی تفسیر میں چند ایک تسامحات بھی ملتے ہیں، جو یقیناً اجتہادی امور سے متعلق ہیں، جن میں خاص طور پر مخالف مذاہب پر شدید نقد کرنا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن، معتزلہ کی بعض مسائل میں موافقت اور ثقہ رواۃ پر جرح شامل ہے، جن کے باوجود ان کے تبحرِ علمی میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

حوالہ جات

[1] السمعانی، عبد الکریم بن محمد بن منصور، الانساب، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد، ط1، 1962ء، ج2، ص63

[2] الذہبی، شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، 1985ء، ج16، ص340

[3] ایضاً

[4] الصمیری، ابو عبداللہ الحسین بن علی، لطائف ومناقب حسان، س ن، ص83

[5] الذہبی، شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ج16، ص325

[6] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1988ء، ج 11، ص297

[7] الذہبی، شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ج16، ص340

[8] الصمیری، ابو عبداللہ الحسین بن علی، لطائف ومناقب حسان، ص84

[9] الذہبی، شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ج16، ص340

[10] امیر الکاتب، غایۃ البنان، جزء2، لوحہ45 (درضمن، تحقیقی مقالہ برائے ڈاکٹریٹ، تحقیق الجزء الثانی من شرح مختصر الطحاوی للجصاص، المکتبہ المرکزیہ، جامعہ ام القریٰ، المکۃ المکرمہ، رقم1924)

[11] الخطیب، أبو بکر أحمد بن علي، البغدادی، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیۃ، ط1، 1417ھ، ج4، ص314

[12] حاجي خلیفۃ، مصطفی بن عبد اللہ کاتب جلبي، القسطنطیني، کشف الظنون، مکتبۃ المثنیٰ، 1941ء، س ن، ج1، ص46

[13] الجصاص، أحمد بن علي أبو بکر الرازي، الحنفي، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط1، 1994ء، ج1، ص46

[14] احکام القرآن، ج1، ص501

[15] احکام القرآن: 2/2، 11/215

[16] احکام القرآن، ج1، ص501

[17] احکام القرآن، ج2، ص353

[18] احکام القرآن، ج1، ص97

[19] احکام القرآن، ج1، ص110

[20] احکام القرآن، ج1، ص122

[21] احکام القرآن، ج2، ص491

[22] احکام القرآن، ج1، ص113

[23] احکام القرآن، ج1، ص398

[24] احکام القرآن، ج2، ص72

[25] احکام القرآن، ج1، ص110

[26] احکام القرآن، ج1، ص231

[27] احکام القرآن، ج2، ص51

[28] احکام القرآن، ج1، ص614

[29] الحنفی ،البخاری، العزیز بن أحمد بن محمد، علاء الدین ،کشف الاسرار، دارالکتب الاسلامی ، س ن، ج1، ص254)

(السرخسي محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة ،اصول السرخسی ،دار المعرفة – بیروت، س ن ، ج1، ص26

[30] الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر، الفصول فی الاصول ،وزارة الأوقاف الكويتية، ط2، 1994ء ،ج2، ص103

[31] احکام القرآن، ج2، ص313

[32] الذھبی، شمس الدین أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ج16، ص341

[33] الذهبي ،الدكتور، محمد السيد حسين ،التفسير والمفسرون، مكتبة وهبة، القاهرة ، س ن، ج2، ص441

[34] البقرۃ2:102

[35] البخاری، محمد بن اسماعیل ،الجامع الصحیح، دارالسلام ،الریاض، 2002ء، کتاب الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ

[36] الاعراف:116

[37] احکام القرآن، ج1، ص49-53

[38] احکام القرآن، ج1، ص57

[39] غلام شمس الرحمٰن، پروفیسر، امام جصاص ؒ کی سحر کے حوالے سے تفسیری تعبیرات اور اعتزال: ایک تنقیدی جائزہ، مجلہ ضیائے تحقیق، شمارہ12، شعبہ علومِ اسلامیہ و عربی، جی سی یو فیصل آباد، ص36

[40] احکام القرآن، ج3، ص6، کامل عبارت یہ ہے: يقال إن الإدراك أصله اللحوق، نحو قولك: أدرك زمان المنصور، وأدرك أبا حنيفة، وأدرك الطعام أي لحق حال النضج، وأدرك الزرع والثمرة، وأدرك الغلام إذا لحق حال الرجال وإدراك البصر للشيء لحوقه له برؤيته إياه؛ لأنه

لا خلاف بين أهل اللغة أن قول القائل: أدركت ببصري شخصا معناه رأيته ببصري، ولا يجوز أن يكون الإدراك الإحاطة لأن البيت محيط بما فيه وليس مدركا له.فقوله تعالى: {لا تدركه الأبصار} معناه: لا تراه الأبصار، وهذا تمدح بنفي رؤية الأبصار كقوله تعالى: {لا تأخذه سنة ولا نوم} وما تمدح الله بنفيه عن نفسه فإن إثبات ضده ذم ونقص، فغير جائز إثبات نقيضه بحال، كما لو بطل استحقاق الصفة بـ {لا تأخذه سنة ولا نوم} لم يبطل إلا إلى صفة نقص، فلما تمدح بنفي رؤية البصر عنه لم يجز إثبات ضده ونقيضه بحال; إذ كان فيه إثبات صفة نقص ولا يجوز أن يكون مخصوصا بقوله تعالى {وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة} لأن النظر محتمل لمعان، منه انتظار الثواب كما روي عن جماعة من السلف.فلما كان ذلك محتملا للتأويل لم يجز الاعتراض عليه بما لا مساغ للتأويل فيه والأخبار المروية في الرؤية إنما المراد بها العلم لو صحت، وهو علم الضرورة الذي لا تشوبه شبهة ولا تعرض فيه الشكوك; لأن الرؤية بمعنى العلم مشهورة في اللغة.

[41] احکام القرآن،ج1،ص370

[42] احکام القرآن،ج1،ص513

[43] احکام القرآن،ج1،ص494

[44] احکام القرآن،ج2،ص406

[45] احکام القرآن،ج2،ص401

[46] التھانوی،ظفر احمد بن لطیف،العثمانی،قواعد فی علم الحدیث،دارالقلم،بیروت،ط3،ص221

[47] احکام القرآن،ج1،ص393

[48] احکام القرآن،ج1،ص283-290

[49] احکام القرآن،ج3،ص320

[50] احکام القرآن،ج3،ص425

[51] احکام القرآن،ج1،ص86

[52] احکام القرآن،ج3،ص132

[53] احکام القرآن،ج1،ص35

[54] احکام القرآن،ج1،ص237

[55] احکام القرآن،ج1،ص625

[56] ابن حجر ،احمد بن علی بن حجر ،العسقلانی،تقریب التھذیب ،دارالکتب العلمیۃ ـ بیروت،ط2، 1994ء،ج1،ص168-
والذھبی ،ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، میزان الاعتدال ،دارالمعرفۃ ،بیروت،ط1 ، 1963ء،ج1،ص427

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.